آیت نمبر (60تا78)

6800

د ھ م

(ف،س) دَھْمًا اچانک آ گرنا۔ دھم سے آ پڑنا۔
(تفعیل) تَدْھِیْمًا آگ کا ہانڈی کو سیاہ کرنا۔
(افعلال) اِدْھِمَامًا سیاہی مائل ہو جانا۔
مُدْھَامٌّ اسم الفاعل ہے۔ سیاہی مائل ہو جانے والا (ایسے گہرے سبز رنگ کے لیے آتا ہے جو سیاہی مائل ہو گیا ہو) زیر مطالعہ آیت۔64۔

ن ض خ

(ف) نَضْخًا پانی کا چشمہ سے زور سے پھوٹنا۔
نَضَّاخٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت پھوٹنے والا، زیر مطالعہ۔66۔

خ ی م

(ض) خَیْمًا کسی جگہ اقامت کرنا۔
خَیْمَۃٌ ج خِیَامٌ۔ اقامت گاہ۔ ہر ایسا ڈیرہ جو مٹی۔ اینٹ۔ پتھر وغیرہ سے نہ بنایا گیا ہو۔ خیمہ۔ زیر مطالعہ آیت۔72۔

ر ف ف

رَفًّا درخت کی شاخوں کا لہلہانہ۔
رَفْرَفٌ ریشمی کپڑا جس پر درختوں اور پھولوں کے نقش و نگار بنے ہوتے ہیں اور جس سے فرش، تکیے اور دوسرا زینت کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)۔ زیر مطالعہ آیت۔76۔

ترجمہ

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ	اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ﴿۶۰﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
کیا (ہوسکتا) ہے بھلائی کا بدلہ	سوائے بھلائی کے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾	وَمِنْ دُوْنِهِمَا	جَنَّتٰنِ ۚ﴿۶۲﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۙ﴿۶۳﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	اور ان دو (باغ) کے علاوہ	دو باغ (اور بھی) ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مُدْهَآمَّتٰنِ ۚ﴿۶۴﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿۶۵﴾
(یہ دونوں باغ) سیاہی مائل سبز ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيۡهِمَا	عَيۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾	فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا 6800
ان دونوں (باغ) میں	بہت ابلنے والے دو چشمے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾	فِيۡهِمَا	فَاكِهَةٌ	وَّنَخۡلٌ	وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان دونوں میں	میوے ہیں	اور کھجوریں ہیں	اور انار ہیں

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾	فِيۡهِنَّ	خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان سب (نعمتوں) میں	خوبصورت نیک اطوار والیاں ہیں

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾	حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ	فِى الۡخِيَامِ ﴿٧٢﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	رہائش دی ہوئی حوریں ہیں	خیموں میں

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾	لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ	اِنۡسٌ	قَبۡلَهُمۡ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ہاتھ لگایا ہی نہیں جن کو	کسی انسان نے	ان سے پہلے

وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾	فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾	مُتَّكِـِٕيۡنَ
اور نہ کسی جن نے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے

عَلٰى رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ	وَّعَبۡقَرِىٍّ	حِسَانٍ ﴿٧٦﴾	فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
سبز ریشمی مسندوں پر	اور کچھ نادر	خوبصورت (چیزوں) پر	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾	تَبٰرَكَ	اسۡمُ رَبِّكَ ذِى الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ﴿٧٨﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	بابرکت ہوا	آپؐ کے بلند مرتبہ اور بزرگی والے رب کا نام

نوٹ:1

آیت ۔46۔ میں دو جنتوں کے سوا اب آیت ۔62۔ میں دو اور جنتوں کا ذکر ہے جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مذکورہ جنتوں کے ساتھ اشتراک بھی رکھتی ہیں اور بعض اعتبار سے ان سے مختلف بھی ہیں۔ ان کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں قسم کی جنتوں کے حقدار ایک ہی قسم کے لوگ ہوں گے یا الگ الگ قسم کے لوگ۔ آگے سورۂ واقعہ میں اہل ایمان کو دو گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے اصحٰب المیمنہ اور السابقون۔ اس وجہ سے قرین قیاس بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آیت ۔46۔ میں سابقون یعنی مقربین کی جنت کا ذکر ہے اور اب آیت ۔62۔ میں اصحٰب المیمنہ اور یعنی صالحین کی جنت کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح دونوں گروہوں کے مرتبہ میں فرق ہے، اسی طرح دونوں گروہوں کی جنتوں میں بھی فرق ہے۔ (تدبر قرآن)

نوٹ:2

آیت ۔70۔ میں پہلے خوب سیرت اور خوبصورت بیویوں کا ذکر کیا گیا، اس کے بعد آیت ۔72۔ میں حوروں کا الگ ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ حوریں ان خواتین سے مختلف قسم کی خواتین ہوں گی۔ اس قیاس کی تقویت اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے جس میں بی بی امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ دنیا کی عورتوں کو حوروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اَبرے (لحاف یا کوٹ کے اوپر والا کپڑا) کو اَستر پر ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر۔ آپؐ نے فرمایا اس لیے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ:3

عرب جاہلیت کے انسانوں میں جنوں کے دارالسلطنت کا نام عبقر تھا جسے اردو میں ہم پرستان کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے عرب کے لوگ ہر نفیس 6800 و نادر چیز کو عبقری کہتے تھے، گویا وہ پرستان کی چیز ہے جس کا مقابلہ اس دنیا کی عام چیزیں نہیں کر سکتیں۔ حتی کہ ان کے محاورے میں ایسے آدمی کو بھی عبقری کہتے ہیں جو غیر معمولی قابلیت کا مالک ہو اور جس سے عجیب وغریب کارنامے صادر ہوں۔ انگریزی میں لفظ Genius بھی اس معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور وہ بھی Genii سے ماخوذ ہے جو جن کا ہم معنی ہے۔ جنت کے سروسامان کی غیر معمولی نفاست وخوبی کا تصور دلانے کے لیے آیت۔76۔ میں عبقری کا لفظ استعمال کیا گیا۔ (تفہیم القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الواقعۃ (56)

آیت نمبر (1 تا 26)

ر	ج	ج

(ن) رَجًّا حرکت دینا۔ ہلانا۔ زیر مطالعہ آیت۔5۔

ب	س	س

(ن) بَسًّا کسی چیز کو پھیلا دینا۔ ریزہ ریزہ کر دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔5۔

ش	ء	م

(و) شَأْمًا نحوست ڈالنا۔

(ک) شَآمَةً منحوس ہونا۔

مَشْئَمَةٌ نحوست کی جگہ یا وقت۔ بایاں پہلو۔ زیر مطالعہ آیت۔9۔

و	ض	ن

(ن) وَضْنًا زرہ بُننا۔ کسی چیز کو بنتے ہوئے قیمتی بنانا۔ جیسے زرہ بنتے وقت ہیرے جواہرات ٹانک دینا۔ کپڑا بنتے ہوئے سونے چاندی کے تار ڈال دینا۔

مَوْضُوْنَةٌ اسم المفعول ہے۔ ہر قیمتی بنی ہوئی چیز۔ زیر مطالعہ آیت۔15۔

ث	ل	ل

(ن) ثَلًّا کنویں سے مٹی نکالنا۔ قوم کو ہلاک کرنا۔

ثُلَّةٌ انسانوں کا بڑا گروہ۔ انبوہ۔ زیر مطالعہ آیت۔13۔

ترکیب

(آیات۔ ایک اور چار) دونوں میں بات اِذَا سے شروع ہوئی ہے، اس لیے ان کے آگے آنے والے افعال ماضی کا ترجمہ مستقبل میں کیا جائے گا۔ (آیت۔4۔5) رَجَّ اور بَسَّ متعدی اور لازم دونوں معانی میں آتے ہیں۔ یہاں رُجَّتْ اور بُسَّتْ فعل مجہول کے واحد مؤنث غائب کے صیغے آئے ہیں۔ اس لیے یہ افعال متعدی کے معانی میں آئے ہیں۔ اَلْاَرْضُ اور اَلْجِبَالُ فاعل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہیں۔

(آیت۔18) بِاَکْوَابٍ کی ب پر عطف ہونے کی وجہ سے اَبَارِیْقَ۔ کَاْسٍ۔ فَاکِھَۃٍ اور لَحْمِ حالت جر میں آئے ہیں۔
(آیت۔25۔26) یہ جملہ منفی ہے اس لیے اس میں اِلاَّ کوئی اعرابی عمل نہیں کرے گا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے لَغْوًا۔ تَاْثِیْمًا حالت نصب میں ہیں۔ پھر اِلاَّ نے لَا یَسْمَعُوْنَ کے لَا کو قطع کیا تو اب یَسْمَعُوْنَ کا مثبت مفعول قِیْلًا آیا ہے۔ جبکہ قِیْلًا کا بدل ہونے کی وجہ سے سَلٰمًا۔ سَلٰمًا حالت نصب میں ہیں۔

ترجمہ

اِذَا وَقَعَتِ	الْوَاقِعَۃُ ﴿۱﴾	لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا	کَاذِبَۃٌ ﴿۲﴾
جب واقع ہوگی	وہ واقع ہونے والی (قیامت)	نہیں ہے جس کے واقع ہونے میں	کوئی جھوٹ کہنے والی (علامت)

خَافِضَۃٌ	رَّافِعَۃٌ ﴿۳﴾	اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ	رَجًّا ﴿۴﴾
(وہ) پست کرنے والی ہے (کسی کو)	(اور وہ) بلند کرنے والی ہے (کسی کو)	جب ہلایا جائے گا زمین کو	جیسے ہلایا جاتا ہے

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ	بَسًّا ﴿۵﴾	فَکَانَتْ	ھَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾
اور ریزہ ریزہ کیا جائے گا پہاڑوں کو	جیسے ریزہ ریزہ کیا جاتا ہے	تو وہ ہو جائیں گے	ایک بکھرنے والا غبار

وَّ کُنْتُمْ	اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ﴿۷﴾	فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ	مَآ
اور تم لوگ ہو جاؤ گے	تین قسموں کے	تو داہنی طرف والے	کیا (ہوں گے)

اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ﴿۸﴾	وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ	مَآ	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ﴿۹﴾
داہنی طرف والے	اور بائیں طرف والے	کیا (ہوں گے)	بائیں طرف والے

وَالسّٰبِقُوْنَ	السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾	اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾	فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾
اور سبقت کرنے والے	سبقت کرنے والوں پر	وہ لوگ قربت دیئے ہوئے ہوں گے	سدا بہاری کے باغات میں

ثُلَّۃٌ	مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾	وَقَلِیْلٌ	مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۴﴾
(وہ لوگ) انبوہ کثیر ہوں گے	پہلے لوگوں میں سے	اور تھوڑے ہوں گے	آخری لوگوں میں سے

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ ﴿۱۵﴾	مُّتَّکِئِیْنَ عَلَیْھَا	مُتَقٰبِلِیْنَ ﴿۱۶﴾	یَطُوْفُ عَلَیْھِمْ
قیمتی جڑاؤ کیے ہوئے تختوں پر	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے ان پر	باہم آمنے سامنے ہونے والے	گھومیں پھریں گے ان کے گرد

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾	بِاَکْوَابٍ	وَّاَبَارِیْقَ	وَکَاْسٍ
ہمیشگی دیئے ہوئے لڑکے	جاموں کے ساتھ	اور صراحیوں کے ساتھ	اور ایسی شراب کے آبخوروں کے ساتھ جو

مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۸﴾	لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْھَا	وَلَا یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾	وَفَاکِھَۃٍ
کسی رواں پانی میں سے ہوگی	ان کو سر درد نہیں ہوگا اس سے	اور نہ وہ بدمست ہوں گے	اور کچھ میوہ کے ساتھ

مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾	وَلَحْمِ طَيْرٍ	مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ 6800
اس میں سے جو وہ پسند کریں	اور پرندوں کے گوشت کے ساتھ	اس میں سے جو ان کا جی چاہے

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾	كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ	الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾
اور (وہاں) بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی	موتی کی مثالوں کے جیسے	ڈھانپے ہوئے (پلکوں میں)

جَزَآءًۢ بِمَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾	لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا
بدلہ ہوتے ہوئے بسبب اس کے جو	وہ لوگ عمل کیا کرتے تھے	وہ نہیں سنیں گے اس میں

لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾	اِلَّا قِيْلًا	سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
کوئی واہی تباہی اور نہ الزام تراشی کرنا	مگر (سنیں گے) کہا جانا	سلام سلام

نوٹ:1 گزشتہ سورتوں میں سورۂ ق سے لے کر سورۂ رحمٰن تک جزاء وسزا سے متعلق ہونے والی ساری بحث کا خلاصہ اس سورۂ واقعہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ پچھلی سورتوں میں آفاق وانفس اور عقل وفطرت کی روشنی میں اس موضوع کے تمام پہلو زیر بحث آئے ہیں۔ اب اس سورہ میں دلائل کی وضاحت کے بجائے اصل نتیجہ سے آگاہ کیا گیا ہے کہ قیامت ایک ہونی شدنی بات ہے۔ انسانوں کو لازماً ایک ایسے جہاں سے سابقہ پیش آنے والا ہے جس میں عزت وذلت کے پیمانے ان پیمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے جو اس جہاں میں معروف ہیں۔ وہاں عزت وسرفرازی ان کے لیے ہوگی جنھوں نے اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی کمائی کی ہوگی، وہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے پائیں گے اور جنت کی تمام مرانیاں انہی کا حصہ ہوں گی۔ رہے وہ جو اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے اور اسی میں مگن ہوگئے وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کو دوزخ کے ابدی عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے۔ تو فرمایا مجھے اپنے گناہوں کی تکلیف ہے۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ تو فرمایا اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا میں آپ کے لیے کسی طبیب کو بلاتا ہوں۔ تو فرمایا مجھے طبیب ہی نے تو بیمار کر ڈالا ہے۔ پھر پوچھا آپ کے لیے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں۔ تو فرمایا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا عطیہ لے لیجیے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی؟ مگر مجھے یہ فکر اس لیے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:3 مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ اولین اور آخرین سے مراد کون ہیں ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے نبی ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گزری ہیں وہ اولین ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لوگ آخرین میں ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعث محمدی سے پہلے کے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور آپ ﷺ کی بعرثت کے بعد کے لوگوں میں سابقین کم ہوں گے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہاں اولین وآخرین سے مراد اُمت محمدی کے اولین وآخرین ہیں۔ یعنی اس اُمت

کے ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں، جن میں سابقین زیادہ ہوں گے اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کم ہوں گے۔ تیسرا گروہ کہتا
6800
ہے کہ اس سے مراد ہر نبی کی اُمت کے اولین و آخرین ہیں۔ آیت کے الفاظ ان تینوں مفہوموں کے حامل ہیں۔ اور بعید نہیں کہ یہ تینوں ہی صحیح ہوں، کیونکہ درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 40)

خ ض د

(ض) خَضَدًا : درخت کے کانٹے صاف کرنا۔

مَخْضُوْدٌ : اسم المفعول ہے۔ کانٹے صاف کیا ہوا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 28۔

س ك ب

(ن) سَکْبًا : پانی گرانا۔ جاری کرنا۔

مَسْکُوْبٌ : اسم المفعول ہے۔ جاری کیا ہوا، زیر مطالعہ آیت۔ 31۔

ترجمہ

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۵	مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾	فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾
اور داہنی طرف والے	کیا (ہوں گے) داہنے طرف والے	(وہ ہوں گے) کانٹے صاف کیے ہوئے بیری کے درختوں میں

وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾	وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾	وَّ مَآءٍ مَّسْکُوْبٍ ﴿۳۱﴾
اور تہہ بہ تہہ کیے ہوئے کیلوں میں	اور دراز کیے ہوئے سائے میں	اور جاری کیے ہوئے پانی میں

وَّ فَاکِهَةٍ کَثِیْرَةٍ ﴿۳۲﴾	لَّا مَقْطُوْعَةٍ	وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾	وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾
اور ایسے کثیر میوں میں جو	نہ قطع کیے ہوئے ہوں گے	اور نہ منع کیے ہوئے	اور بلند کیے ہوئے بچھونوں میں

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ	اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾	فَجَعَلْنٰهُنَّ	اَبْکَارًا ﴿۳۶﴾
بیشک ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو	جیسے بہترین اٹھان کا حق ہے	پھر ہم نے بنایا ان کو	کنواریاں

عُرُبًا	اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾	لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۸﴾
پیار ظاہر کرنے والیاں	ہم عمر ہونے والیاں	داہنی طرف والوں کے لیے

ثُلَّةٌ	مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۹﴾	وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۰﴾
(وہ) انبوہ کثیر ہوں گے	اوّلین میں سے	اور انبوہ کثیر ہوں گے آخرین میں سے (بھی)

نوٹ:1 پیچھے آیت۔ 8۔ 9 میں لفظ مَا آیا ہے اور اب آیت۔ 27 میں اس کا اعادہ ہوا ہے اور آگے آیت۔ 41 میں پھر اعادہ ہوگا۔ ان میں جو استفہام ہے یہ اظہار شان وعظمت کے لیے بھی آتا ہے اور اظہار نفرت وکراہیت کے لیے بھی۔ اظہار عظمت کے لیے ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ان کی عالی مقامی کا کیا کہنا ہے۔ اور اظہارِ نفرت کے لیے ہو تو مطلب ہوتا ہے ان کی بدحالی اور بدانجامی کا کیا پوچھتے ہو۔ یہ اسلوب کلام اس صورت

میں اختیار کیا جاتا جب صورتحال کی تصویر الفاظ میں کھینچنی ممکن نہ ہو اور صورتِ واقعہ قیاس و گمان کی رسائی سے اور الفاظ کے احاطہ سے ماوراء ہوں۔(تدبر قرآن سے ماخوذ)۔

نوٹ:2

لَا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَةٍ سے مراد ہے کہ یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر جانے کے بعد نہ مل سکیں۔ان کی پیداوار کا سلسلہ منقطع نہیں ہو گا بلکہ ہر پھل وہاں ہر موسم میں ملے گا۔اور لَا مَمۡنُوۡعَةٍ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے باغوں کی طرح وہاں کوئی باغ کا مالی یا چوکیدار منع کرنے والا نہ ہوگا۔(تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔37۔میں ہم عمر ہونے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں۔دوسرا یہ کہ وہ آپس میں ہم سِن ہوں۔یعنی جنت کی تمام عورتیں ایک ہی عمر کی ہوں ہمیشہ اُسی عمر کی رہیں۔بعید نہیں کہ یہ دونوں ہی باتیں بیک وقت صحیح ہوں۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے۔مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر داڑھی نہ نکلی ہوگی۔گورے چٹے ہوں گے۔گٹھے ہوئے بدن ہوں گے،آنکھیں سرمگیں ہوں گی۔سب کی عمریں۔33 سال کی ہوں گی۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (41تا56)

ترجمہ

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ	اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾	فِیۡ سَمُوۡمٍ	وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾
اور بائیں جانب والے	کیا (ہوں گے) بائیں جانب والے	(وہ) لُو میں	اور ہمیشہ گرم رہنے والے پانی میں ہوں گے

وَّ ظِلٍّ	مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾	لَّا بَارِدٍ	وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾
اور ایک ایسے سائے میں ہوں گے جو	دھوئیں سے ہوگا	جو نہ ٹھنڈا ہوگا	اور نہ عزت والا ہوگا

اِنَّہُمۡ کَانُوۡا	قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾	وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ	عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾
بیشک یہ لوگ تھے	اس سے پہلے خوشحالی دیئے ہوئے	اور وہ جمے رہتے تھے	تمام بڑے گناہوں پر

وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ	اَئِذَا مِتۡنَا	وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا	ءَ اِنَّا
اور وہ کہا کرتے تھے	کیا جب ہم مر جائیں گے	اور ہم ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں	تو کیا ہم

لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾	اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾	قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾
ضرور (دوبارہ) اٹھائے جانے والے ہوں گے	اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی	آپؐ کہیے بیشک سارے اگلے اور سارے آخری

لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ	اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾	ثُمَّ اِنَّکُمۡ
یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں	ایک معلوم دن کی طے شدہ جگہ کی طرف	پھر بیشک تم لوگ

اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾	لَاٰکِلُوۡنَ	مِنۡ شَجَرٍ
اے گمراہ ہونے والو، جھٹلانے والو،	یقیناً کھانے والے ہو	ایک ایسے درخت میں سے

مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾	فَمٰلِـُٔوۡنَ	مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾	فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ 6800
جو تھوہر سے ہوگا	پھر بھرنے والے ہو	اس سے پیٹوں کو	پھر پینے والے ہو اس پر

مِنَ الۡحَمِيۡمِ ﴿۵۴﴾	فَشٰرِبُوۡنَ	شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ﴿۵۵﴾	هٰذَا نُزُلُهُمۡ	يَوۡمَ الدِّيۡنِ ﴿۵۶﴾
ہمیشہ گرم رہنے والے پانی میں سے	پھر پینے والے ہو	پیاسے اونٹوں کا (سا) پینا	یہ ان کی مہمان نوزی ہوگی	بدلے کے دن

نوٹ:1 اَلۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ پر جو الف لام ہے اسے لام جنس بھی مانا جاسکتا ہے اور لام تعریف بھی۔ اگر لام جنس مانا جائے تو اس سے مراد ہوں گے تمام بڑے گناہ۔ تفہیم القرآن میں اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ’’گناہ عظیم کا لفظ جامع ہے۔ اس سے مراد کفر وشرک اور دہریت بھی ہے اور اخلاق و اعمال کا ہر بڑا گناہ بھی۔‘‘ ترجمہ میں ہم نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ اور اگر لام تعریف مانا جائے تو پھر اس سے مراد شرک ہے۔

نوٹ:2 نُزُلٌ اُس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کے سواری سے اترنے کے بعد سب سے پہلے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (جیسے آج کل بھی کھانے کی دعوت پر آنے والے مہمانوں کو آتے ہی کوک کی بوتل یا کوئی اور مشروب پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نُزل ہے۔ اصل دعوت بعد میں ہوتی ہے۔ مرتب) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی اولین ضیافت تھوہر اور گرم پانی سے ہوگی، کون اندازہ کرسکتا ہے کہ بعد میں ان کے سامنے کیا کچھ آئے گا۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (57 تا 74)

م ز ن

(ن) مَزۡنًا مشکیزہ بھرنا۔
مُزۡنٌ بارش والا بادل، زیر مطالعہ آیت۔69۔

ترکیب (آیت۔59) تَخۡلُقُوۡنَهٗ کی ضمیر مفعولی کو ءَ يۡتُمۡ کے مفعول مَا یعنی نطفہ کے لیے بھی مانا جاسکتا ہے اور اس کے لیے بھی جو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی انسان۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔

(آیت۔74) اَلۡعَظِيۡمِ کو اِسۡم کی صفت بھی مانا جاسکتا ہے اور رَبِّ کی بھی۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔

ترجمہ

نَحۡنُ	خَلَقۡنٰكُمۡ	فَلَوۡ لَا تُصَدِّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾	اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا
ہم نے ہی	پیدا کیا ہے تم لوگوں کو	پھر تم لوگ کیوں نہیں تصدیق کرتے (اس کی)	کیا تم لوگوں نے غور کیا اس (نطفہ) پر جو

تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾	ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ	اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾	نَحۡنُ قَدَّرۡنَا
تم لوگ ٹپکاتے ہو	کیا تم لوگ پیدا کرتے ہو اس (نُطفہ) کو	یا ہم پیدا کرنے والے ہیں (اس کو)	ہم نے (وقت) طے کیا ہے

بَيۡنَكُمُ الۡمَوۡتَ	وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ﴿۶۰﴾	عَلٰٓى اَنۡ	نُّبَدِّلَ
تمہارے مابین موت کا	اور ہم عاجز کیے ہوئے نہیں ہیں	اس پر کہ	ہم تبدیل کریں (تم کو)

اَمْثَالَكُمْ وَ	نُنْشِئَكُمْ	فِيْ مَا	لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾	وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ 6800
تمہارے جیسوں سے	اور ہم اٹھائیں تم کو	اس میں جو	تم لوگ نہیں جانتے	اور یقیناً تم لوگ جان چکے ہو

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى	فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾	اَفَرَءَيْتُمْ مَّا	تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾
پہلی اٹھان کو	تو تم لوگ نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے	کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جو	تم لوگ بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ	اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾	لَوْ نَشَآءُ	لَجَعَلْنٰهُ
کیا تم لوگ اگاتے ہو اس کو	یا ہم اگانے والے ہیں	اگر ہم چاہتے	تو ہم ضرور کر دیتے اس کو

حُطَامًا	فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾	اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾	بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾
روندا ہوا	تو تم رہ جاتے پشیمان ہوتے ہوئے	(کہ) بیشک ہم تاوان ڈالے ہوئے ہیں	بلکہ ہم محروم (ہو گئے) ہیں

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ	تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾	ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ	مِنَ الْمُزْنِ
تو تم لوگوں نے غور کیا اس پانی پر جو	تم پیتے ہو	کیا تم اتارتے ہو اس کو	بادل سے

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾	لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ	اُجَاجًا	فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾
یا ہم اتارنے والے ہیں	اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے اس کو	کڑوا	تو تم لوگ شکر کیوں نہیں کرتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ	تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾	ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ	شَجَرَتَهَآ
کیا تم لوگوں نے غور کیا اس آگ پر جو	تم لوگ جلاتے ہو	کیا تم لوگ اگاتے ہو	اس کے درخت کو

اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾	نَحْنُ جَعَلْنٰهَا	تَذْكِرَةً	وَّمَتَاعًا
یا ہم اگانے والے ہیں	ہم نے بنایا ہے اس کو	یاد دلانے کے لیے	اور ایک برتنے کا سامان

لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾	فَسَبِّحْ	بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾
ضرورتمندوں کے لیے	پس تو تسبیح کر	اپنے رب کے عظیم نام کی

نوٹ: 1

آیت۔ 57 سے 74 تک جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان میں بیک وقت آخرت اور توحید دونوں پر استدلال کیا گیا ہے۔ انسان اگر صرف اسی ایک بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے تو اسے نہ قرآن کی تعلیمِ توحید میں کوئی شک رہ سکتا ہے اور نہ اس کی تعلیمِ آخرت میں۔ استقرارِ حمل سے وضعِ حمل تک ماں کے پیٹ میں بچہ کی درجہ بدرجہ تخلیق و پرورش، ہر بچے کی الگ صورت گری اور ہر بچے کے اندر مختلف ذہنی و جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب سے رکھنا، کیا یہ سب کچھ خدائے واحد کے سوا کسی اور کا کام ہے؟ اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہ ہو تو وہ خود محسوس کرے گا کہ انسان پورا کا پورا خدا کا ہی ساختہ و پرداختہ ہے۔ توحید کی طرح یہ حقیقت آخرت کے معاملہ میں بھی فیصلہ کن ہے۔ تمام انسان اسی طرح دنیا میں آئے ہیں اور وہ شب و روز اپنے ہی جیسے انسانوں کی پیدائش کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد صرف عقل کا اندھا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو خدا انسانوں کو آج پیدا کر رہا ہے وہ کل کسی وقت اپنے ہی پیدا کیے ہوئے ان انسانوں کو کسی طرح سے دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا۔

اسی طرح آیت۔ 64۔ کا ظاہر استدلال تو توحید کے حق میں ہے، مگر اس میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر آدمی اگر تھوڑا سا غور کرے تو اسی کے اندر آخرت کی دلیل بھی مل جاتی ہے۔ جو بیج زمین میں بویا جاتا ہے وہ مردہ ہوتا ہے مگر زمین کی قبر میں جب کسان اسے دفن کر

دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر وہ نباتی زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے لہلہاتی کھیتیاں شان دکھاتی ہیں۔ یہ بے شمار مردے آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی قبروں سے جی جی کر اٹھ رہے ہیں۔ یہ کیا کچھ کم معجزہ ہے کہ کوئی شخص اس دوسرے معجزے کو ناممکن قرار دے جس کی خبر قرآن مجید ہمیں دے رہا ہے یعنی انسانوں کی موت کے بعد ان کی دوبارہ زندگی۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

آیت۔ 61۔ میں ہے وَنُنۡشِئَكُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ اس سے مراد قیامت میں اٹھایا جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم کو تمہاری موجودہ شکل و ہیئت میں پیدا کریں، اسی طرح ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری تخلیق کا طریقہ بدل کر کسی اور شکل و ہیئت میں، کچھ دوسری صفات کے ساتھ تم کو پیدا کریں، قیامت کے روز ہم تمہیں اسی عمر کے انسان میں پیدا کر سکتے ہیں جس عمر میں تم مرے تھے۔ آج تمہاری بینائی، سماعت اور دوسرے حواس کا پیمانہ ہم نے کچھ اور رکھا ہے۔ قیامت کے روز ہم اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیں گے یہاں تک کہ تم وہ کچھ دیکھ اور سن سکو جو یہاں نہیں دیکھ سکتے اور نہیں سن سکتے۔ آج تمہارے ہاتھ پاؤں اور تمہاری کھال میں کوئی گویائی نہیں ہے۔ قیامت کے روز تمہارا ہر عضو اور تمہارے جسم کی کھال کا ہر ٹکڑا ہمارے حکم سے بولنے لگے گا۔ آج تم ایک خاص حد تک ہی عذاب برداشت کر سکتے ہو جس سے زائد عذاب ہو تو تم زندہ نہیں رہ سکتے، کل تم ایسا عذاب ایسی طویل مدت تک بھگت سکو گے جس کا تم تصور نہیں کر سکتے اور کسی سخت سے سخت عذاب سے بھی تمہیں موت نہ آئے۔ آج تم سوچ نہیں سکتے کہ کوئی بوڑھا جوان ہو جائے، کبھی بیمار نہ ہو اور ہمیشہ ہمیشہ وہ ایک ہی عمر کا جوان رہے۔ کل ہم تمہاری زندگی کے لیے کچھ دوسرے قوانین بنا سکتے ہیں جن کے مطابق جنت میں جاتے ہی ہر بوڑھا جوان ہو جائے اور اس کی جوانی و تندرستی لازوال ہو۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:3

لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا۔ اس جملہ میں اللہ کی قدرت و حکمت کے ایک اہم کرشمے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پانی کے اندر اللہ تعالیٰ جو حیرت انگیز خواص رکھے ہیں ان میں ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر خواہ کتنی بھی چیزیں تحلیل ہو جائیں، جب وہ حرارت کے اثر سے بھاپ میں تبدیل ہوتا ہے تو ساری آمیزش نیچے چھوڑ دیتا ہے اور صرف اپنے اصل آبی اجزاء کو لے کر ہوا میں اڑتا ہے۔ یہ خاصیت اگر اس میں نہ ہوتی تو بھاپ میں تبدیل ہوتے وقت بھی وہ سب چیزیں اس میں شامل رہتیں۔ اس صورت میں سمندر سے جو بھاپ اٹھتی اس میں سمندر کا نمک بھی شامل ہوتا اور اس کی بارش تمام زمین کو شور (نمک) والی زمین بنا دیتی۔ نہ انسان اس پانی کو پی کر ہی جی سکتا تھا اور نہ کسی قسم کی نباتات اس سے اُگ سکتی تھی۔ یہ خاصیت جس کی بدولت کھاری سمندروں سے میٹھا پانی کشید ہو کر بارش کی شکل میں برستا ہے پھر آب پاشی کی خدمت انجام دیتا ہے، اس بات کی شہادت فراہم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی میں یہ خاصیت بالارادہ ودیعت کی ہے تاکہ وہ اس کی مخلوقات کی پرورش کا ذریعہ بن سکے۔ جو مخلوق کھاری پانی سے پرورش پا سکتی تھی وہ اس نے سمندر میں پیدا کی اور وہاں وہ خوب جی رہی ہے۔ مگر جس مخلوق کو اس نے خشکی اور ہوا میں پیدا کیا ہے اس کی پرورش کے لیے میٹھا پانی درکار تھا اور اس کی فراہمی کے لیے بارش کا انتظام کرنے سے پہلے اس نے پانی کے اندر یہ خصوصیت رکھ دی کہ بھاپ بنتے وقت وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہ اڑے جو اس کے اندر تحلیل ہو گئی ہو۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (75 تا 96)

ترجمہ

فَلَآ	اُقۡسِمُ	بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۙ﴿۷۵﴾	وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ
پس نہیں!	میں قسم کھاتا ہوں	ستاروں کے گر پڑنے (ڈوبنے) کے وقت کی	اور بیشک یہ یقیناً ایک ایسی قسم ہے

6800

لَّوْ تَعْلَمُوْنَ	عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾	اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾	فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾
اگر تم لوگ جانو،	جو بڑی عظمت والی ہے	بیشک یہ یقیناً ایک ایسا دائمی عزت والا قرآن ہے جو	ایک ڈھانپی ہوئی کتاب میں ہے

لَّا يَمَسُّهٗٓ	اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾	تَنْزِيْلٌ	مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾
نہیں چھوتے اس کو	مگر پاک کیے ہوئے	(یہ) اتارا ہوا ہے	تمام جہانوں کے رب (کی طرف) سے

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ	اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾	وَتَجْعَلُوْنَ	رِزْقَكُمْ
تو کیا اس بات (قرآن) میں	تم لوگ ڈھیلا پڑنے (سست ہونے) والے ہو	اور بناتے ہو (اس میں سے)	اپنا نصیب

اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾	فَلَوْلَآ اِذَا	بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾	وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ
یہ کہ تم لوگ جھٹلاتے ہو	تو کیوں نہ ہوا کہ جب کبھی	وہ (جان) پہنچتی ہے حلق تک	اس حال میں کہ تم لوگ اس وقت

تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾	وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ	مِنْكُمْ	وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾
دیکھتے ہو	اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس (جان) کی طرف	(بہ نسبت) تمہارے	اور لیکن تم دیکھتے نہیں ہو

فَلَوْلَآ	اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾	تَرْجِعُوْنَهَآ	اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾
تو کیوں نہیں،	اگر تم لوگ بغیر حساب لیے جانے والے ہو،	تم لوگ لوٹا لیتے اس (جان) کو	اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو

فَاَمَّآ	اِنْ كَانَ	مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾	فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ	وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾
پھر وہ جو ہے	اگر وہ (مرنے والا) ہوا	قربت دیئے ہوئے لوگوں میں سے	تو راحت ہے اور خوشبو ہے	اور دائمی نعمت کا باغ ہے

وَاَمَّآ	اِنْ كَانَ	مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾	فَسَلٰمٌ لَّكَ
اور وہ جو ہے	اگر وہ (مرنے والا) ہوا	داہنی طرف والوں میں سے	تو سلامتی ہے تیرے لیے

مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾	وَاَمَّآ	اِنْ كَانَ	مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾
(تو تو) داہنی طرف الوں میں سے ہے	اور وہ جو ہے	اگر وہ ہوا	بہکے ہوئے جھٹلانے والوں میں سے

فَنُزُلٌ	مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾	وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾	اِنَّ هٰذَا	لَهُوَ
تو ابتدائی مہمان نوازی ہے	دائمی گرم پانی سے	اور دوزخ کا جلایا جانا ہے	بیشک یہ	یقیناً یہی

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾	فَسَبِّحْ	بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾
یقین کا حق ہے	پس تو تسبیح کر	اپنے رب کے عظیم نام کی

نوٹ 1: قسم کے شروع میں لفظ لَا کو لانا ایک عام عربی محاورہ ہے۔ جیسے لَا وَاللّٰهِ (نہیں! اللہ کی قسم) اور جاہلیت کی قسموں میں لَا وَاَبِيْكَ (نہیں! تیرے والد کی قسم)۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اس موقع میں صرف لَا مخاطب کے گمان کی نفی کے لیے ہوتا ہے، یعنی جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتائی جا رہی ہے، (معارف القرآن)۔

6800

نوٹ :2

آیت ۔79۔ میں کفار کے اس الزام کی تردید ہے جو وہ قرآن پر لگاتے تھے کہ یہ کلام رسول اللہ ﷺ پر جن اور شیاطین القا کرتے ہیں ۔اس کا جواب قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے یہاں یہ ان الفاظ میں ہے کہ ’’ اِسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا ۔‘‘ یعنی جن اور شیاطین کا اسے لانا یا اس کے نزول کے وقت اس میں دخل انداز ہونا تو در کنار، جس وقت یہ لوح محفوظ سے نبی ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے اُس وقت مطہرین یعنی پاک فرشتوں کے سوا کوئی قریب بھی نہیں پھٹک سکتا ۔بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کوئی ایسا شخص اسے نہ چھوئے جو پاک نہ ہو۔لیکن یہ تفسیر آیت کے سیاق وسباق سے مطابقت نہیں رکھتی ۔سیاق وسباق سے الگ کر کے تو اس کے الفاظ سے یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے ۔مگر جس سلسلہ کلام میں یہ وارد ہوئی ہے اس میں رکھ کر اسے دیکھا جائے تو یہ بات کہنے کا کوئی موقع نظر نہیں آتا ۔یہاں تو کفار مخاطب ہیں اور ان کو بتایا جارہا ہے کہ یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے اور تمہارا یہ گمان قطعی غلط ہے کہ اسے شیاطین نبی ﷺ پر القا کرتے ہیں ۔اس جگہ ایک شرعی حکم بیان کرنے کا کیا موقع ہوسکتا ہے ۔زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ آیت یہ حکم دینے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے مگر فحوائے کلام اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کتاب کو صرف مطہرین ہی چھوسکتے ہیں اُسی طرح دنیا میں بھی ،کم ازکم وہ لوگ جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ،اسے ناپاکی کی حالت میں چھونے سے اجتناب کریں ۔(تفہیم القرآن)۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور مطہرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست سے پاک ہوں ۔اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو طہارت کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے ۔اس تفسیر کی ترجیح کے لیے بعض حضرات نے ان احادیث کو پیش کیا ہے جن میں غیر طاہر کو قرآن چھونے سے منع کیا گیا ہے ۔مگر چونکہ اس مسئلہ میں دوسرے صحابہ ؓ کا اختلاف ہے ،اور کچھ صحابہ کرام کے نزدیک اس آیت میں قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانے والے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں ،جبکہ کچھ کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہیں ،اس لیے بہت سے حضرات نے اس آیت سے استدلال کو چھوڑ کر صرف متعلقہ احادیث سے استدلال کیا ہے ۔

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کے باوجود جمہور اُمت اور ائمہ اربعہ یعنی حنفی ،شافعی ، مالکی اور حنبلی مسالک کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے ۔اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث سے ثابت اور جمہور اُمت کے نزدیک مسلم ہے ،کیا یہ بات قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہے یا نہیں ۔اس لیے اختلاف مسئلے میں نہیں ، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے ۔(معارف القرآن سے ماخذ)۔

حنفی اور شافعی مسلک میں تعلیم کے لیے قرآن مجید بچوں کے ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے خواہ وہ وضو سے ہوں یا بے وضو ۔جبکہ مالکی مسلک میں قرآن کی تعلیم کے لیے استاد اور شاگرد دونوں مستثنیٰ ہیں ۔ بلکہ حائضہ عورت کے لیے بھی بغرض تعلیم مصحف کو ہاتھ لگانا جائز قرار دیا گیا ہے ۔(تفہیم القران)۔

6800

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الحدید (57)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترکیب

(آیت۔1) سَبَّحَ فعل ماضی ہے۔لیکن یہاں یہ ایک آفاقی صداقت بیان کر رہا ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/49، نوٹ۔2-) (آیت۔3) اَلۡاَوَّلُ مادہ ''ء ول'' سے افعل تفضیل میں اَفۡعَلُ کے وزن پر اَوۡاَلُ بنتا ہے جو اَوَّلُ استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/49، مادہ، ء ول) اس لیے اس کے معنی ہیں سب سے پہلا۔ جبکہ اَلۡاٰخِرُ افعل تفضیل نہیں ہے، ورنہ اَفۡعَلُ کے وزن پر یہ آٰخَرُ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل اٰخِرٌ ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہونے والا یا پیچھے رہنے والا۔ یہ مفہوم اردو میں عموماً لفظ آخری سے ادا ہوتا ہے۔ (آیت۔4) عربی میں اَیۡنَ کو غیر معین کرنے کے لیے جب اس کے ساتھ مَا استعمال کرتے ہیں (دیکھیں آیت نمبر۔2/26، نوٹ۔1) تو عام طور پر اسے ملا کر اَیۡنَمَا لکھتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ اسی طرح ملا کر اَیۡنَمَا آیا ہے۔ لیکن چند آیات میں اَیۡنَ سے مَا کو الگ کر کے اَیۡنَ مَا لکھا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے، جبکہ عام عربی میں اس کو اس طرح لکھنا غلط مانا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں صورتحال یہ ہے کہ جن آیات میں اَیۡنَمَا ہے وہاں اَیۡنَ مَا لکھنا غلط ہے۔ اور جن آیات میں اَیۡنَ مَا آیا ہے وہاں اَیۡنَمَا لکھنا غلط ہے۔ یہ اصول قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/61 نوٹ۔1)

ترجمہ

سَبَّحَ لِلّٰہِ	مَا	فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ	وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ①
تسبیح کرتی ہے اللہ کی	(ہر) وہ چیز جو	آسمانوں اور زمین میں ہے	اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے

لَہٗ	مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ	یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ
اس کے لیے ہی ہے	آسمانوں اور زمین کی بادشاہت	وہ زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ	قَدِیۡرٌ ②	ھُوَ الۡاَوَّلُ	وَالۡاٰخِرُ	وَالظَّاھِرُ
اور وہ ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	وہ سب سے پہلا ہے	اور آخری ہے	اور ظاہر ہونے والا ہے

وَالۡبَاطِنُ ۚ	وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ	عَلِیۡمٌ ③	ھُوَ الَّذِیۡ
اور پوشیدہ رہنے والا ہے	اور وہ ہر چیز کا	علم رکھنے والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ	ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ	یَعۡلَمُ
پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	چھ دنوں میں	پھر وہ متمکن ہوا عرش پر	وہ جانتا ہے

مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ	وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡھَا	وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
اس کو جو گھستا ہے زمین میں	اور اس کو جو نکلتا ہے اس سے	اور اس کو جو اترتا ہے آسمان سے

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ	وَهُوَ مَعَكُمْ	اَيْنَ مَا	كُنْتُمْ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا	تَعْمَلُوْنَ 6800
اوراس کو جو چڑھتا ہے اس میں	اور وہ تمہارے ساتھ ہے	جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہو	اوراللہ اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو یا کروگے

بَصِيْرٌ ④	لَهٗ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَاِلَى اللّٰهِ
دیکھنے والا ہے	اس کے لیے ہی ہے	آسمانوں اور زمین کی بادشاہت	اوراللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ	الْاُمُوْرُ ⑤	يُوْلِجُ الَّيْلَ	فِي النَّهَارِ	وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
لوٹائے جاتے ہیں	سارے معاملات	وہ گھساتا ہے رات کو	دن میں	اور وہ گھساتا ہے دن کو

فِي الَّيْلِ ؕ	وَهُوَ عَلِيْمٌۢ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥
رات میں	اور وہ جاننے والا ہے	سینوں والی (بات) کو

نوٹ:1 یہ سورہ سابق سورۃ الواقعہ کی مثنیٰ ہے۔ (یعنی یہ دونوں سورتیں جڑواں بہنیں ہیں) اگرچہ دونوں میں مکی اور مدنی ہونے کے اعتبار سے زمانی اور مکانی بُعد (دوری) ہے، لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں بہت زیادہ ربط ہے۔ سابقہ سورہ میں یہ اصولی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ جزاء و سزا کا دن لازماً آ کے رہے گا اور اس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی سابقون اولون، اصحاب یمین اور اصحاب شمال۔ اس سورہ میں مسلمانوں کو سابقین اولین کی صف میں اپنی جگہ بنانے پر ابھارا گیا ہے۔ (تدبر قرآن)۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے (آیات زیر مطالعہ میں) اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں تاکہ سامعین کو اچھی طرح یہ احساس ہو جائے کہ کس عظیم ہستی کی طرف سے ان کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد سلسلہ وار مضامین بیان ہوئے ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 آیت۔1۔ میں وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ آیا ہے۔ لفظ هُوَ پہلے لانے سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ عزیز اور حکیم ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک وہی ایسی ہستی ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ عزیز کے معنی ہیں ایسی زبردست اور قدر و قاہر ہستی جس کے اختیارات پر کوئی تحدید (Limitation) نہ ہو۔ اور حکیم کے معنی ہیں کہ وہ ہستی جو کچھ بھی کرتی ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتی ہے۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبّار اور ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور یہ صرف ان مواقع پر ہوا ہے جہاں سلسلہ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے گنتی کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان، بے رحم، بخیل اور بدسیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب یا حمید ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو کامل اقتدار رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام قابل تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت 6800(Sovereignty) کے مسئلہ پر فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کی بحثوں سے واقف ہیں۔ کسی غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے ہر نقص سے پاک اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم اور بدخو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہوگی۔ اس لیے جن فلسفیوں نے کسی انسانی ادارے یا انسانوں کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے، ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے پاک ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کوئی پارلیمنٹ یا قوم یا پارٹی اپنے محدود اختیار کو بے عیب طریقے سے استعمال کر سکے۔ کیونکہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوع انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے، کجا کہ وہ کسی ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے۔ ان حقائق کو نگاہ میں رکھ کر اگر کوئی غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح تصور پیش کر رہا ہے۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)۔

نوٹ:3

آیت۔3 کی تفسیر اول و آخر اور ظاہر و باطن کے معانی میں مفسرین حضرات کے دس سے زیادہ اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سبھی کی گنجائش ہے۔ لفظ اول کے معنی تو متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات سے مقدم اور پہلا ہے، کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لیے وہ سب سے اول ہے۔ آخر کا مطلب ہے کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے۔ جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت۔88۔ میں ہے کہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ اور فنا سے مراد عام ہے خواہ عدم وجود واقع ہو جائے، جیسے قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جائیں گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو مگر اس کا فنا اور عدم وجود ممکن ہو اور جس کے موجود ہونے کے وقت بھی اسے فانی کہہ سکتے ہوں۔ اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے بُرے انسان ہیں۔ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر فنا ہونے کے امکان سے پھر بھی خالی نہ ہوں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے۔ اس لیے اس کو آخر کہہ سکتے ہیں۔ اور ظاہر کا مطلب ہے کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں۔ اس لحاظ سے اس عالم میں اس سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں ہے۔ اور اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے وہ باطن ہے کیونکہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 11)

ترکیب

(آیت۔10) مَنۡ یہاں پر جمع کے معنی میں آیا ہے لیکن کیونکہ یہ اصلاً واحد لفظ ہے اس لیے فعل اَنۡفَقَ اور قَاتَلَ واحد کے صیغے میں لا کر لفظی رعایت کی گئی ہے (دیکھیں آیت نمبر۔2/8، نوٹ۔1) وَعَدَ کے دو مفعول آتے ہیں۔ کس سے وعدہ کیا اور یا کس چیز کا وعدہ کیا۔ یہاں کُلًّا اس کا مفعول اول مقدم ہے اور اَلۡحُسۡنٰی اس کا مفعول ثانی ہے۔ مِنۡ بَعۡدُ دراصل مِنۡ بَعۡدِ ذَالِكَ ہے۔ مضاف الیہ محذوف ہونے کی وجہ سے مضاف بَعۡدُ حالت رفع میں آیا ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/25، نوٹ۔3) (آیت۔11) مَنۡ ذَا دراصل مَنۡ ذَالِكَ ہے یعنی کون ہے وہ۔ فَیُضٰعِفَهٗ کا فَا سببیہ ہے اس لیے یُضٰعِفَ حالت نصب میں ہے۔

ترجمہ

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ	وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا	جَعَلَكُمۡ
تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر	اور خرچ کرو اس میں سے	اس نے بنایا تم لوگوں کو

مُّسْتَخْلَفِيْنَ	فِيْهِ ۭ	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	وَاَنْفَقُوْا 6800
جانشین کیا ہوا،	جس میں	پھر جو لوگ ایمان لائے تم میں سے	اور انہوں نے خرچ کیا

لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦	وَمَا لَكُمْ	لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ	وَالرَّسُوْلُ
ان کے لیے ایک بڑا اجر ہے	اور تم لوگوں کو کیا (ہو گیا) ہے	تم لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ پر	حالانکہ یہ رسول

يَدْعُوْكُمْ	لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ	وَقَدْ اَخَذَ	مِيْثَاقَكُمْ
دعوت دیتے ہیں تم کو	کہ تم لوگ ایمان لاؤ اپنے رب پر	اس حال میں کہ وہ لے چکے ہیں	تم سے پختہ عہد

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧	هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ	عَلٰي عَبْدِهٖٓ	اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ
اگر تم لوگ ایمان لانے والے ہو	وہ، وہ ہے جو اتارتا ہے	اپنے بندے پر	واضح آیات

لِّيُخْرِجَكُمْ	مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ	وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ
تاکہ وہ (اللہ) نکالے تم کو	اندھیروں سے روشنی کی طرف	اور بیشک اللہ تم لوگوں پر

لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ⑨	وَمَا لَكُمْ	اَلَّا تُنْفِقُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
یقیناً انتہائی شفقت کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے	کہ تم لوگ خرچ نہیں کرتے	اللہ کی راہ میں

وَلِلّٰهِ	مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ	لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ	مَّنْ
حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے	آسمانوں اور زمین (کی میتوں) کا ترکہ	برابر نہیں ہیں تم میں سے	وہ لوگ جنہوں نے

اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ	وَقٰتَلَ ۭ	اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً	مِّنَ الَّذِيْنَ
خرچ کیا اُس فتح سے پہلے،	اور قتال کیا،	یہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے	ان لوگوں سے جنہوں نے

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ	وَقٰتَلُوْا ۭ	وَكُلًّا	وَّعَدَ اللّٰهُ	الْحُسْنٰى ۭ
خرچ کیا اس کے بعد	اور قتال کیا	اور سب سے	وعدہ کیا اللہ نے	اچھائی کا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ⑩ ع	مَنْ ذَا الَّذِيْ	يُقْرِضُ اللّٰهَ
اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے	کون ہے وہ جو	قرض دے اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا	فَيُضٰعِفَهٗ	لَهٗ	وَلَهٗٓ	اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑪ ۚ
ایک خوبصورت قرضہ	نتیجتاً وہ کئی گنا کرے اس (قرض) کو	اس (قرض دینے والے) کے لیے	اور اس کے لیے	ایک باعزت اجر ہے

نوٹ: 1 اٰمِنُوْا کا خطاب اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن آگے قرائن سے واضح ہو جائے گا کہ روئے سخن دراصل ایسے مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن جب ایمان کے تقاضے انفاق اور قتال کی صورت میں سامنے آئے تو اس کا حق ادا نہیں کر پا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فعل اٰمِنُوْا اپنے کامل اور حقیقی معنی میں ہے جیسے سورۃ النساء کی آیت۔136 میں ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم

لوگ ایمان لاؤ (تدبر قرآن) ظاہر ہے کہ سورۃ النساء کی آیت میں اہل ایمان سے مطالبہ یہ ہے کہ ایمان کے ابتدائی مرحلے 6800 یعنی زبانی اقرار سے تو تم گزر چکے۔ اب ایمان کے بلند درجات کو عبور کرتے ہوئے دلی تصدیق کے مرحلے تک رسائی حاصل کرو۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی یہی مطالبہ ہے اور اس کے ساتھ یہ رہنمائی بھی ہے کہ ایمان کے بلند درجات عبور کرنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنا مال اور اپنی جان خرچ کرے۔ (مرتب)۔

نوٹ:2

آیت۔10 میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ میراث اصل میں اس ملکیت کو کہتے ہیں جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے۔ اور یہ ملکیت جبری ہوتی ہے کہ مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہاں میراث کے لفظ میں حکمت یہ ہے کہ تم لوگ چاہو یا نہ چاہو آج تم جس جس چیز کے مالک سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر اللہ تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی۔ اس لیے اس وقت جبکہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے، اگر تم اس میں سے کچھ اللہ کے نام خرچ کر دو گے تو اس کا بدل تمہیں آخرت میں مل جائے گا۔ اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لیے دائمی ہو جائے گی۔

بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اکثر حصہ تقسیم کر دیا، صرف ایک دستی گھر کے لیے رکھ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اس بکری میں سے کیا باقی رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ایک دستی باقی رہ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! ساری بکری باقی رہ گئی ہے صرف یہ دستی باقی نہیں رہی۔ کیونکہ ساری بکری اللہ کی راہ میں خرچ کر دی گئی، وہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے باقی رہے گی اور یہ دستی جو اپنے کھانے کے لیے رکھی ہے، یہ یہیں فنا ہو جائے گی۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:3

اکثر مفسرین نے الفتح سے مراد فتح مکہ لیا ہے۔ جبکہ کچھ مفسرین اس سے مراد صلح حدیبیہ لیتے ہیں۔ اس رائے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن ولید کا حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے جھگڑا ہو گیا۔ اس میں خالدؓ نے عبدالرحمنؓ سے کہا تم لوگ اپنی پچھلی خدمات کی بنا پر ہم سے دوں کی لیتے ہو۔ یہ بات جب نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم لوگ احد کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان لوگوں کے اعمال کو نہ پہنچ سکو گے۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں الفتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، کیونکہ حضرت خالد اسی صلح کے بعد ایمان لائے تھے اور فتح مکہ میں شریک تھے۔

لیکن اس خاص موقع پر الفتح سے مراد خواہ صلح حدیبیہ لی جائے یا فتح مکہ بہرحال اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ درجات کا یہ فرق بس اسی ایک فتح پر ختم ہو گیا۔ بلکہ اصولاً اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کبھی اسلام پر ایسا کوئی وقت آجائے جب کفار کا پلڑہ بہت بھاری ہو اور بظاہر اسلام کے غلبہ کے آثار دور دور کہیں نظر نہ آتے ہوں، اس وقت جو لوگ اسلام کی حمایت میں جان (وقت اور صلاحیت) اور مال خرچ کریں گے، ان کے مرتبے کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو کفر و اسلام کی کشمکش کا فیصلہ اسلام کے حق میں ہونے کے بعد قربانیاں دیں گے۔ (تفہیم القرآن) یہ بات بہت واضح ہے کہ اللہ نے ہم کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے مکی دور میں پیدا کیا ہے۔ یارانِ نکتہ داں کے لیے یہ ایک (Life Time Opportunity) ہے۔ جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں، مینا اسی کا ہے۔ (مرتب)۔

6800

آیت نمبر (12 تا 15)

ترجمہ

يَوْمَ تَرَى	الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ	يَسْعٰى نُوْرُهُمْ	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
جس دن آپ دیکھیں گے	مومن مردوں اور مومن عورتوں کو	دوڑتا ہوگا ان کا نور	ان کے آگے

وَبِاَيْمَانِهِمْ	بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ	جَنّٰتٌ	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اور ان کے دائیں طرف	تمہاری بشارت ہے آج کے دن	ایسے باغات	بہتی ہیں	جن کے دامن میں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (12)	يَوْمَ يَقُوْلُ
ہمیشہ رہنے والے اس میں	یہ ہی شاندار کامیابی ہے	جس دن کہیں گے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	انْظُرُوْنَا	نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ
منافق مرد اور منافق عورتیں	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	تم لوگ رعایت کرو ہماری	تو ہم حصہ حاصل کرلیں تمہارے نور سے

قِيْلَ ارْجِعُوْا	وَرَآءَكُمْ	فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا	فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ	بِسُوْرٍ
کہا جائے گا تم لوگ لوٹ جاؤ	اپنے پیچھے کی طرف	پھر تلاش کرو نور کو	پھر بنادی جائے گی ان کے درمیان	ایک دیوار

لَّهٗ بَابٌ	بَاطِنُهٗ	فِيْهِ الرَّحْمَةُ	وَظَاهِرُهٗ	مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (13)
جس کا ایک دروازہ ہوگا	اس کا باطن (ایسا) ہوگا	جس میں رحمت ہوگی	اور اس کا ظاہر (ایسا) ہوگا	جس کے سامنے سے عذاب ہوگا

يُنَادُوْنَهُمْ	اَلَمْ نَكُنْ	مَّعَكُمْ	قَالُوْا بَلٰى	وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
وہ (منافق) لوگ آوازیں دیں گے ان (مومن) لوگوں کو	کیا ہم نہیں تھے	تم لوگوں کے ساتھ	وہ لوگ کہیں گے کیوں نہیں	اور لیکن تم لوگوں نے فتنہ میں ڈالا

اَنْفُسَكُمْ	وَتَرَبَّصْتُمْ	وَارْتَبْتُمْ	وَغَرَّتْكُمُ	الْاَمَانِيُّ	حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
اپنی جانوں کو	اور انتظار میں رہے	اور شبہ میں پڑے	اور فریب دیا تم لوگوں کو	آرزوؤں نے	یہاں تک کہ آن پہنچا اللہ کا حکم

وَغَرَّكُمْ	بِاللّٰهِ	الْغَرُوْرُ (14)	فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ	فِدْيَةٌ
اور فریب دیا تم لوگوں کو	اللہ کے بارے میں	اس انتہائی دھوکے باز نے	تو اس دن نہیں لی جائے گی تم لوگوں سے	بدلے میں کوئی چیز

وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مَاْوٰىكُمُ	النَّارُ	هِيَ مَوْلٰىكُمْ	وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (15)
اور نہ ان سے جنہوں نے (کھلا) انکار کیا	تم سب کا ٹھکانہ	یہ آگ ہے	یہ (اب) تمہاری کرتا دھرتا ہے	کتنی بری ہے یہ لوٹنے کی جگہ

نوٹ:1

آیت۔12۔ اور بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں نور صرف مومنین صالحین کو ملے گا۔ وہاں روشنی جو کچھ بھی ہوگی، وہ صالح عقیدے اور صالح عمل کی ہوگی۔ جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا اس کے نور کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ مدینہ سے عدن تک پہنچ رہا ہوگا۔ کسی کا نور مدینہ سے صنعاء تک اور کسی کا اس سے کم، یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا

جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی ذات سے دنیا میں جتنی بھلائی پھیلی ہوگی اس کا نور اتنا ہی تیز ہوگا۔ اور دنیا میں جہاں تک اس کی بھلائی پہنچی ہوگی، میدان حشر میں اتنی مسافت تک اس کے نور کی شعاعیں دوڑ رہی ہوں گی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روشنی اسی انفاق کے فیض سے حاصل ہوگی جس کی دعوت گزشتہ آیت۔10۔11 میں دی گئی ہے۔ نیز آیت۔9۔ میں یہ جو ہے کہ اللہ تعالیٰ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ اتارتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے تو یہاں اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ سے اشارہ خاص طور پر ان قرآنی آیات کی طرف ہے جو انفاق کی عظمت اور اہمیت واضح کرنے کی لیے نازل ہوئیں، کیونکہ اسی انفاق کی جڑ کٹتی ہے اور وہ نور حکمت عطا ہوتا ہے جو اسکی تاریکیوں میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور آخرت میں بھی یہ رہنمائی کرے گا۔ (تدبر قرآن سے ماخوذ) واضح رہے کہ دین کی خاطر بندہ چاہے مال خرچ کرے یا اپنا وقت، علم، صلاحیت یا ذاتی مثال سے رہنمائی کرے، سب انفاق میں شامل ہیں۔ ذاتی رہنمائی کے انفاق ہونے کے متعلق آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس کے شفاعت حسنہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ اور انفاق کی طرح شفاعت حسنہ بھی انشاء اللہ نور کے حصول کا ذریعہ بنے گی۔ ذاتی رہنمائی کرنے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک صاحب عمرہ سے واپس آئے تو ان کے دوست نے ان کو مبارک باد دی۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ قبول کرے تو یہ مبارک بادی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے کیونکہ میں تو آپ ﷺ کی طرف سے عمرہ کرنے گیا تھا۔ ان کے دوست نے کہا کہ اگلے ماہ میں بھی عمرہ کرنے جا رہا ہوں لیکن سوچا تھا کہ یہ عمرہ میں اپنے مرحوم والدین کی طرف سے کروں گا۔ انہوں نے اپنے دوست کو سمجھایا کہ تم عمرہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کرو۔ اس کے بعد اللہ سے دعا کرو کہ میرے مرحوم والدین اور خاندان کے تمام مرحومین کو اس کا ثواب بخش دے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ تمہارے حساب کے ساتھ خاندان کے تمام مرحومین کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرہ کرنے کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ اس کے بعد اُن صاحب کے حلقہ میں تین یا چار افراد اس طرح عمرہ کر چکے ہیں۔ اس طرح یا کسی اور انداز میں ذاتی مثال سے تبلیغ کرنے کا عمل بھی انشاء اللہ میدانِ حشر میں نور میں اضافے کا سبب بنے گا۔ (مرتب) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا، تو وہ آیت اس کے لیے قیامت کے روز نور ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور کا سبب بنے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حج وعمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لیے جو سر منڈایا جاتا ہے تو اس میں سے جو بال زمین پر گرتا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔ میدانِ حشر میں نور وظلمت کے اسباب سے متعلق بارہ احادیث معارف القرآن کی جلد ہشتم کے صفحہ۔308۔309 پر دی ہوئی ہیں۔ ان میں سے صرف تین نقل کی گئی ہیں۔

نوٹ:3 ایک حدیث میں ہے کہ پھر تم لوگ قبروں سے میدان حشر کی طرف منتقل کیے جاؤ گے جس میں مختلف مراحل ہوں گے۔ ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ اللہ کے حکم سے کچھ چہرے سفید اور روشن کردیئے جائیں گے اور کچھ چہرے سیاہ۔ پھر ایک مرحلہ پر میدانِ حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر، جن میں مومن اور کافر سب شامل ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہوجائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا۔ ہر مومن کو نور عطا کیا جائے گا اور کفار ومنافقین کو نور نہ دیا جائے گا۔ مگر ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن کو نور عطا فرمادیں گے اور ہر منافق کو بھی۔ مگر جب یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کرلیا جائے گا۔ تفسیر مظہری میں ان دونوں احادیث کی تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ منافقین جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، ان کو تو شروع ہی

سے کفار کی طرح کوئی نور نہیں ملے گا۔ اور وہ منافقین جو اس اُمت میں بعد میں پیدا ہوئے جن کو منافقین کا نام اس لیے نہیں دیا جا سکے گا کہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور اب کسی کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ دل سے مومن نہیں، صرف زبان کا اقرار ہے، یہی وجہ ہے کہ اُمت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کو منافق کہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے، اس لیے جو لوگ اللہ کے علم میں منافق ہوں گے، ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں ان کو بھی نور دے دیا جائے گا اور بعد میں سلب کر لیا جائے گا۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)

آیت نمبر (16 تا 20)

ترکیب

(آیت۔16) یَاْنِ دراصل مضارع یَاْنِیْ ہے۔ لَمْ داخل ہے۔ لَمْ داخل ہونے کی وجہ سے مضارع مجزوم ہوا تو ''ی'' گر گئی۔ اَنْ کی وجہ سے تَخْشَعَ مضارع منصوب آیا ہے۔ لَا یَکُوْنُوْا سے نون اعرابی کا گرا ہوا ہونا بتا رہا ہے کہ یہ بھی اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے مضارع منصوب ہے۔ یعنی اصل مفہوم یہ ہے کہ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَلَّا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ (آیت۔18) اَلْمُصَّدِّقِیْنَ اصل میں باب تفعل کا اسم الفاعل اَلْمُتَصَدِّقِیْنَ ہے۔ قاعدے کے مطابق تا کو ص میں تبدیل کر کے ادغام کر دیا گیا ہے۔ اَقْرَضُوْا سے پہلے مَنْ محذوف ہے۔ یُضٰعَفُ کا نائب فاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ جو قَرْضًا حَسَنًا کے لیے ہے۔ (آیت۔20) کَمَثَلِ غَیْثٍ کا تعلق اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا سے ہے۔ یعنی اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا کَمَثَلِ غَیْثٍ۔

ترجمہ

اَلَمْ یَاْنِ	لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ
کیا (ابھی) وقت نہیں آیا	ان کے لیے جو ایمان لائے	کہ جھک جائیں ان کے دل

لِذِکْرِ اللّٰہِ	وَمَا نَزَلَ	مِنَ الْحَقِّ	وَلَا یَکُوْنُوْا
اللہ کے ذکر کے لیے	اور اس کے لیے جو نازل ہوا	الحق میں سے	اور (کیا وقت نہیں آیا کہ) وہ لوگ نہ ہوں

کَالَّذِیْنَ	اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ	فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ	فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ ؕ
ان کے جیسے جن کو	دی گئی کتاب اس سے پہلے	پھر طویل ہوئی ان پر مدت	پھر سخت ہو گئے ان کے دل

وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ	فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾	اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ	یُحْیِ الْاَرْضَ	بَعْدَ مَوْتِھَا ؕ
اور ان میں سے اکثر	نافرمانی کرنے والے ہیں	تم لوگ جان لو کہ اللہ	زندہ کرتا ہے زمین کو	اس کی موت کے بعد

قَدْ بَیَّنَّا	لَکُمُ الْاٰیٰتِ	لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾	اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ
ہم واضح کر چکے	تم لوگوں کے لیے نشانیوں کو	شاید تم لوگ عقل (استعمال) کرو	بیشک صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں

وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ	قَرْضًا حَسَنًا	یُّضٰعَفُ لَھُمْ	وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾
اور (جو بھی) قرض دے اللہ کو	کوئی (بھی) خوبصورت قرضہ	تو اس کو کئی گنا کیا جائے گا ان کے لیے	اور ان کے لیے ایک عزت والا اجر ہے

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ	اُولٰٓئِکَ	ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّھَدَآءُ
اور جو لوگ ایمان لائے	اللہ اور اس کے رسولوں پر	ان لوگوں (میں سے)	ہی صدیقین اور شہداء ہیں

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَنُوْرُهُمْ ؕ	لَهُمْ اَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ
6800 اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	اور جنہوں نے انکار کیا	اور ان کا نور ہے	ان کے لیے ان کا اجر ہے	اپنے رب کے پاس

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ	اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	اِعْلَمُوْٓا	اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑲
کھیل کود ہے اور تماشہ ہے اور زینت ہے	کہ دنیوی زندگی تو بس	تم لوگ جان لو	وہ لوگ دوزخ والے ہیں

كَمَثَلِ غَيْثٍ	فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ	وَتَكَاثُرٌ	وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ
(نیز دنیوی زندگی) کسی بارش کی مثال کی طرح ہے	مال اور اولاد میں	اور ایک دوسرے پر کثرت حاصل کرنا ہے	اور فخر کرنا ہے آپس میں

ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ	مُصْفَرًّا	فَتَرٰىهُ	ثُمَّ يَهِيْجُ	نَبَاتُهٗ	الْكُفَّارَ	اَعْجَبَ
پھر وہ ہو جاتا ہے روندا ہوا	پیلا پڑتے ہوئے	تو تو دیکھتا ہے اس کو	پھر وہ زور پر آتا ہے	جس کا سبزہ	کسان کو	دلکش لگا

وَرِضْوَانٌ ؕ	وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ	عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ	وَفِي الْاٰخِرَةِ
اور (اس کی) رضامندی ہے	اور مغفرت ہے اللہ (کی طرف) سے	شدید عذاب ہے	اور آخرت میں

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳	وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ
سوائے دھوکے کے سامان کے	اور دنیوی زندگی (کچھ) نہیں ہے

نوٹ:1

خشوع قلب سے مراد دل کا نرم ہونا اور وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہے۔ اور قرآن کے لیے خشوع یہ ہے کہ اس کے احکام، اوامر و نواہی کی اطاعت کے لیے تیار ہو جائے اور اس پر عمل کرنے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مومنین کے قلوب میں عمل کے اعتبار سے کچھ سستی معلوم کی تو اس پر یہ آیت (نمبر۔16) نازل ہوئی۔ امام اعمشؒ نے فرمایا کہ مدینہ پہنچنے کے بعد صحابۂ کرامؓ کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو بعض حضرات میں عمل کی جدوجہد، جو ان کی عادت تھی، اس میں کچھ کمی اور سستی پائی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مومنین کو مکمل خشوع اور عمل صالح کے لیے مستعد رہنے کی تعلیم ہے اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے جو چیز لوگوں سے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ:2

دل کی نرمی اگر وقتی ہو تو اس کے لیے خشوع قلب کی اصطلاح ہے، لیکن کسی کی شخصیت میں یہ دل نرمی اگر مستقل صفت بن جائے تو اس کے لیے قرآن کی اصطلاح ہے "رَءْفَةٌ"۔ اور اس صفت کی حامل شخصیت کو رَءُوْفٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ صرف ایک جگہ، سورۃ التوبہ۔ 128، یہ لفظ رسول اللہؐ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ انگریزی میں اس کو Empathy کہتے ہیں جو Sympathy (ہمدردی) سے بلند تر درجہ کی خوبی مانی جاتی ہے۔ (اپنی شخصیت میں اس خوبی کو اجاگر کرنے کے خواہشمند اصحاب اس کی مزید وضاحت جینے کا سلیقہ کورس میں دیکھ لیں۔)

اس حوالے سے اب یہ سمجھ لیں کہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح کے تقاضوں کو طوعاً اور کرہاً پورا کرنا اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ لیکن اس کے آگے دلی آمادگی، جذبے، شوق اور پھر لگن کے ساتھ ان تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے درجہ بدرجہ ترقی کر کے درجۂ احسان تک پہنچنے پر آمادہ کرنے کے لیے جو عوامل انسان کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں ان میں سے دو بنیادی اعوامل کا یہاں ذکر ہے۔ پہلا ہے رقتِ قلبی جو اوپر ہم سمجھ چکے۔ دوسرا ہے اسلام کے نظریہ آخرت کو دل و دماغ میں حاضر رکھنا۔ اس کا ذکر آیت۔ 17۔ میں ہے کہ آئے دن تمہاری آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو اور اس حقیقت کو دل و دماغ میں حاضر رکھو کہ اس طرح اللہ تمہیں بھی دوبارہ

زندہ کرے گا اور پھر تم ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے اس انجام تک پہنچو گے جس کی خبر انبیاء ورسل دیتے آئے ہیں۔ یہ دونوں عوامل جب مہمیز لگاتے ہیں تو انسان عمل صالح کے اس مرحلہ میں داخل ہوتا ہے جو صالح لوگوں میں سے کچھ کی زندگی میں عموماً سب سے آخر میں آتا ہے۔ اور وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان (یعنی وقت اور صلاحیت) اور مال خرچ کرنا۔ اور جب کوئی بندہ اپنے ظروف واحوال میں رہتے ہوئے اپنے مقدور بھر دعوت وتبلیغ کی جدوجہد یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جاتا ہے، تو وہ صالحین کے زمرے سے ترقی کر کے شہداء کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہے۔

پھر یہ جہاد پارٹی ڈسپلن کے پریشر کے تحت نہ ہو، نہ دیکھا دیکھی ہو، نہ ہسکا ہورہی ہو، بلکہ اللہ کے بندوں کو آگ کے گڑھے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اور اپنے مسلمان بھائیوں کے اُخروی انجام کو خطروں میں گھرا دیکھ کر دل میں جو کسک اور ٹیس اٹھتی ہے، اس کے تحت وہ دعوت وتبلیغ میں اپنی جان اور اپنا مال کھپائے تو اخلاص کی پہلی شرط پوری ہوجائے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس جدوجہد کے عوض نہ پارٹی میں اعلیٰ عہدوں کی تمنا ہو اور نہ کسی داد ودہش کی آرزو ہو، بلکہ اس کا اجر صرف اللہ سے مطلوب ہو اور آخرت میں مطلوب ہو۔ جہاد مع النفس کرتے ہوئے بندہ جب اپنے جہاد فی سبیل اللہ کی نیت اور اعمال کے اخلاص میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے اس کی تکمیلی مرحلہ میں داخل ہوتا ہے، تو وہ شہداء کے زمرے سے ترقی کر کے صدیقین کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہ وہ بلندترین درجہ ہے جہاں تک بندہ اپنے کسب سے رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس سے اوپر انبیاءؑ کا زمرہ ہے جس کا دروازہ بند ہوچکا ہے۔ لیکن جب یہ دروازہ کھلا ہوا تھا اس وقت بھی یہ رتبہ کسبی نہیں تھا بلکہ وہبی تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بلند درجات تو دور کی بات ہے، خود ہدایت بھی کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (اے نبی ﷺ) بیشک آپ ﷺ ہدایت نہیں دیتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ القصص۔56)۔ اس لیے جو کچھ بھی ہے سب وہبی ہے۔ یہ اُس کی دین ہے جس کو پروردگار دے۔ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ یقیناً دین تو اللہ ہی کی ہے لیکن عندالطلب ہے، بن مانگے نہیں ملتی سوائے نبوت کے جو بن مانگے ملتی تھی۔ لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (انسان کے لیے کچھ نہیں ہے سوائے اس کے جو اس نے کوشش کی۔ (النجم۔39) اس لیے یہ رویہ درست نہیں ہے کہ سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے انسان خود کو عمل سے فارغ کرلے۔ درست طرزِ عمل یہ ہے کہ جس چیز کی طلب ہو انسان اس کے لیے کوشش کرے، پھر کوشش کا نتیجہ اللہ کے حوالے کرے۔ پھر جو نتیجہ نکلے اسے اپنا کارنامہ نہ سمجھے کیونکہ کوشش کا نتیجہ اللہ کی دین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب اور سعی بندے کا کسب ہے اور نتیجہ اللہ کی دین ہے۔

آیت نمبر (21 تا 25)

ترجمہ

سَابِقُوۡۤا	اِلٰی مَغۡفِرَةٍ	مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
تم لوگ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو	ایک ایسی مغفرت کی طرف جو	تمہارے رب (کی طرف) سے ہے

وَجَنَّةٍ	عَرْضُهَا	كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ	اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ
اور ایک ایسی جنت کی طرف	جس کی وسعت	زمین وآسمان کی وسعت کی طرح ہے	6800 جو تیار کی گئی ان کے لیے جو

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ	ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ	يُؤْتِيْهِ	مَنْ يَّشَآءُ ؕ
ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر	یہ اللہ کا فضل ہے	وہ دیتا ہے اسے (فضل)	اس کو جسے وہ چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾	مَآ اَصَابَ	مِنْ مُّصِيْبَةٍ	فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ
اور اللہ بڑے فضل والا ہے	نہیں آلگتی	کوئی بھی آلگنے والی	زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں

اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ	مِّنْ قَبْلِ اَنْ	نَّبْرَاَهَا ؕ	اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ	يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ ۚۖ
سوائے اس کے کہ (وہ) ایک کتاب میں ہے	اس سے پہلے کہ	ہم وجود بخشتے ہیں اس کو	بیشک یہ اللہ پر	آسان ہے

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا	عَلٰى مَا	فَاتَكُمْ	وَلَا تَفْرَحُوْا	بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
تاکہ تم لوگ مایوس نہ ہو	اس پر جو	نکل گیا تم سے	اور نہ اتراؤ	اس پر جو اس نے دیا تم کو	اور اللہ پسند نہیں کرتا

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ ۙ	الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ	بِالْبُخْلِ ؕ
سب اکڑنے والوں فخر کرنے والوں کو	وہ لوگ جو کنجوسی کرتے ہیں	اور ترغیب دیتے ہیں لوگوں کو	کنجوسی کی

وَمَنْ يَّتَوَلَّ	فَاِنَّ اللّٰهَ	هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾	لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	بِالْبَيِّنٰتِ
اور جو روگردانی کرتا ہے	تو یقیناً اللہ	ہی بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے	بیشک ہم بھیج چکے اپنے رسولوں کو	واضح (نشانیوں) کے ساتھ

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ	الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ	لِيَقُوْمَ النَّاسُ	بِالْقِسْطِ ۚ
اور ہم نے اتارا ان کے ساتھ	الکتاب اور وزن کرنے کا پیمانہ	تاکہ قائم رہیں لوگ	انصاف پر

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ	فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ	وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ	وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
اور ہم نے اتارا لوہا	جس میں شدید سختی ہے	اور فائدے ہیں لوگوں کے لیے	اور تاکہ جان لے اللہ

مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	بِالْغَيْبِ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع
کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی	غائبانہ	یقیناً اللہ	قوی ہے بالادست ہے

نوٹ: 1

آیت۔22۔ میں ایک حقیقت کی یاددہانی کرائی گئی ہے کہ ہر انسان پر اچھے یا برے، جو بھی حالات وارد ہوتے ہیں وہ سب اللہ کے اذن سے ہوتے ہیں۔ اس کے اذن کے بغیر پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ پھر اگلی آیت میں بتایا کہ تم سے کوئی چیز جاتی رہے تو مایوس مت ہو اور کچھ مل جائے تو اتراؤ مت۔ یہاں پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس ہونا اور کچھ مل جانے پر خوشی ہونا بشری تقاضے ہیں اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ آیت۔23۔ میں جس طرزِ عمل سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان فطری افسوس کو پال پوس کر بڑھائے اور اپنے اوپر طاری رکھے تاکہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرتا رہے۔ یا فطری خوشی بڑھا چڑھا کر اس کی نمائش کرتا رہے تاکہ دوسروں کے دلوں میں حسرت اور حسد پیدا ہو۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ غم اور خوشی کے جذبات کو کنٹرول کر کے ایک حد کے اندر رکھے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرے تاکہ زندگی کے روزمرہ کے معمولات میں زیادہ خلل واقع نہ ہو۔ کسی عزیز کے انتقال سے بڑھ کر کیا سانحہ ہو سکتا ہے۔ اس میں سوگ منانے کی اجازت ہے لیکن سینہ کوبی اور بین کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور سوگ کی اجازت بھی تین دن سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اسلام کا یہ

تقاضہ پورا کرنا انسان کے لیے آسان ہوجاتا ہے اگر وہ یہ بات یاد رکھے کہ مجھے جو نقصان پہنچا ہے تو میرے رب کے اذن سے پہنچا ہے اور اس کے ہاتھ میں کل خیر ہے (ال عمران:26) اس لیے اس میں میری کوئی بھلائی ہے جو میں نہیں جانتا، وہ جانتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے وقت یہ یاد رکھے کہ مجھے کچھ ملا ہے تو یہ میرے رب کی دین ہے۔ اس میں میرا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔

اللہ کے ہاتھ میں کل خیر ہونے کا مطلب اس مثال سے سمجھیں کہ مالی اپنے لگائے ہوئے پودے کو پانی بھی دیتا ہے، کھاد بھی ڈالتا ہے لیکن اس میں گوڈی بھی کرتا ہے، اس کے سائے تلے پروان چڑھنے والی جڑی بوٹیوں کو اکھاڑ کر اس سے جدا بھی کرتا ہے اور خود پودے کی تراش خراش بھی کرتا رہتا ہے۔ مالی کے کسی کام سے پودے کو راحت محسوس ہوتی ہے کسی کام سے تکلیف ہوتی ہے لیکن مالی کے ہاتھ میں کل خیر ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے صرف پودے کی فلاح کے پیش نظر کرتا ہے۔ مالی جانتا ہے کہ پودے کے حق میں کیا خیر ہے اور کیا شر لیکن پودا نہیں جانتا۔

نوٹ:2 آیت۔25۔ میں پیغمبروں کو بھیجنے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتارنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اس کے بعد ایک تیسری چیز یعنی لوہے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اسی عدل وانصاف کی تکمیل کے لیے ہے جو پیغمبر اور کتاب کے نازل کرنے کا مقصد ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور باہمی حقوق وفرائض کا توازن برقرار رکھنے کے لیے واضح دلائل دیتے ہیں۔ وعظ ونصیحت کرتے ہیں اور نہ کرنے کی صورت میں آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن کچھ سرکش عناصر نہ کسی دلیل کو مانتے ہیں نہ اللہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوتے ہیں، ان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ عدل وانصاف کے نظام میں خلل اندازی کرتے رہیں گے، ایسے لوگوں کو قابو میں رکھنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا ہے یعنی کتاب اور میزان، جبکہ جدید کا ذکر آخر میں فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اقامت عدل وانصاف کے لیے لوہے کا استعمال بدرجہ مجبوری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلق خدا کی اصلاح اور ان کو انصاف پر قائم رکھنا دراصل ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے۔ جبکہ حکومت کا زور اس کام کے لیے نہیں ہے بلکہ راستہ سے رکاوٹ دور کرنے کے لیے ہے۔ (معارف القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: www.khuddam-ul-quran.com, info@khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

1800

61800

61800

1800

6800

61800

1800

1800